Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 03, July - September 2026, **PP**: 76-94
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

The Welfare Model of the State of Madinah and the Modern Welfare State: A Comparative Study in the Light of the Prophetic Sīrah

1. Mai Yasmeen mai.yasmeen@bnbwu.edu.pk	*Teaching Assistant, Begum Nusrat Bhutto Women University Sukkur.*
2. Mai Kalsoom sayedakulsoom9@gmail.com	*Lecturer in Islamic Studies, Government College for Women Saudabad, Karachi.*

How to Cite:	Mai Yasmeen and Mai Kalsoom. 2026: "The Welfare Model of the State of Madinah and the Modern Welfare State: A Comparative Study in the Light of the Prophetic Sīrah". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (03): 76-94.
Article History:	**Received**: 05-07-2026 / **Accepted**: 15-08-2026 / **Published**: 25-08-2026

Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

DRJI, ADVANCED SCIENCE INDEX, CiteFactor, ASIAN Research Index, SCI, Google Scholar, تحقیقات, ADL ASIAN DIGITAL LIBRARY, EuroPub, اردو جرائد اشاریہ

Publisher

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development

ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں تقابلی مطالعہ

The Welfare Model of the State of Madinah and the Modern Welfare State: A Comparative Study in the Light of the Prophetic Sīrah

1. **Mai Yasmeen**
Teaching Assistant, Begum Nusrat Bhutto Women University Sukkur.
mai.yasmeen@bnbwu.edu.pk

2. **Mai Kalsoom**
Lecturer in Islamic Studies, Government College for Women Saudabad, Karachi.
sayedakulsoom9@gmail.com

Abstract

The welfare model of the State of Madinah represents a distinctive paradigm of governance in which social justice, human dignity, economic equity, social responsibility, and ethical governance were integrated under the guidance of the Qurʾān and Sunnah of the Prophet Muhammad ﷺ. This study examines the concept of welfare in the State of Madinah in the light of the Prophetic Sīrah and comparatively analyzes it with the modern concept and historical development of the Welfare State. Employing a qualitative and analytical methodology, the study draws upon primary Islamic sources, including the Qurʾān and Hadith, classical works of Sīrah and Islamic political thought, and relevant modern literature on the Welfare State. The study finds that both models share several fundamental objectives, including poverty alleviation, social security, economic justice, protection of vulnerable groups, and public welfare. However, they differ significantly in their philosophical foundations and conceptual scope. While the modern Welfare State is primarily grounded in human reason, constitutionalism, social contract, and modern political and economic thought, the Madinah model is founded upon divine guidance, moral accountability, social solidarity, and holistic human well-being. The study argues that the contemporary relevance of the Madinah model lies not in mechanically reproducing its historical institutions, but in adapting its foundational principles, justice, transparency, accountability, social responsibility, human dignity, and equitable distribution of resources, within contemporary constitutional, administrative, and economic frameworks. It concludes that integrating these ethical and normative principles with modern institutional mechanisms can offer a balanced and sustainable framework for welfare, particularly in contemporary Muslim societies.

Keywords: *State of Madinah, Welfare, Justice, Administration, Muslim Societies.*

تعارف

کسی بھی ریاست کے نظام، اس کی فلاحی ترجیحات اور اس کے سماجی و معاشی اصولوں کو سمجھنے کے لیے اس تاریخی پس منظر کا مطالعہ ناگزیر ہے جس میں وہ نظام تشکیل پایا۔ اسی تناظر میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل کا مطالعہ کرنے سے قبل بعثتِ نبوی ﷺ سے پہلے عرب معاشرے کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی صورتِ حال کا جائزہ لینا ضروری ہے، تاکہ اسلام کے عطا کردہ فلاحی نظام کی خصوصیات، وسعت اور تاریخی اہمیت کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل عرب معاشرہ عمومی طور پر قبائلی عصبیت، نسلی تفاخر، معاشرتی ناہمواری اور طاقت کے غلبے سے دوچار تھا۔ قبائلی وابستگی فرد کی سماجی شناخت کا بنیادی حوالہ تھی اور قبیلے کی قوت و حیثیت کے مطابق افراد اور قبائل کے درمیان تعلقات متعین ہوتے تھے۔ کمزور قبائل اور محروم طبقات کو طاقتور عناصر کے دباؤ کا سامنا رہتا تھا۔ عورتوں کو متعدد معاشرتی و معاشی حقوق سے محروم رکھا جاتا، غلاموں کو انسانی مساوات اور سماجی احترام سے محروم سمجھا جاتا اور بعض علاقوں و قبائل میں نومولود بچیوں کو زندہ درگور کرنے جیسی سنگ دلانہ روایات بھی پائی جاتی تھیں۔ ابن خلدون نے المقدمہ میں عرب معاشرے کی قبائلی عصبیت، بدویانہ طرزِ زندگی اور اجتماعی نظم کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی ہے[1]، جبکہ ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ میں اسلام سے قبل عرب کے حالات و واقعات کو تاریخی تناظر میں بیان کیا ہے[2]۔ ان تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل عرب معاشرے کو ایک ایسے جامع اور منصفانہ اجتماعی نظام کی ضرورت تھی جو انسانی جان، مال، عزت، حقوق اور معاشرتی نظم کو مؤثر بنیاد فراہم کر سکے۔

اسلام نے محض انفرادی عبادات اور اخلاقی تعلیمات تک محدود رہنے کے بجائے انسان کی اجتماعی زندگی کے لیے بھی ایک جامع نظام پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ریاست قائم کر کے ایسا معاشرتی، سیاسی، معاشی اور اخلاقی نظم تشکیل دیا جس کی بنیاد عدل، مساوات، انسانی تکریم، باہمی تعاون، ذمہ داری اور کمزور طبقات کی کفالت پر استوار تھی۔ ریاستِ مدینہ میں شہریوں کے بنیادی حقوق اور جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ساتھ معاشرے کے محروم اور ضرورت مند طبقات کی فلاح و بہبود کو بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، محتاجوں اور دیگر کمزور طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا، جبکہ زکوٰۃ، صدقات، عطیات اور دیگر مالی وسائل کے ذریعے معاشرے میں دولت کی گردش اور ضرورت مندوں کی کفالت کا مؤثر انتظام قائم کیا گیا۔ اس اعتبار سے ریاستِ مدینہ محض سیاسی اقتدار کی تشکیل نہیں تھی بلکہ انسانی فلاح، معاشرتی عدل اور اجتماعی ذمہ داری پر مبنی ایک جامع ریاستی نمونہ بھی تھی۔

جدید سیاسی فکر میں ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں شہریوں کی جان، مال، عزت و آبرو، آزادی اور بنیادی ضروریات کے تحفظ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ جدید دور میں ریاست کے اس تصور کو عمومی طور پر فلاحی ریاست (Welfare State) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فلاحی ریاست سے مراد ایسا ریاستی نظام ہے جس میں حکومت شہریوں کے معاشی اور سماجی تحفظ، تعلیم، صحت، روزگار، سماجی بہبود اور معاشی انصاف کے لیے مختلف پالیسیاں اور ادارہ جاتی انتظامات تشکیل دیتی ہے۔ تاہم فلاحی ریاست کا جدید تصور ایک طویل تاریخی ارتقا کا نتیجہ ہے، جسے صنعتی انقلاب، سرمایہ دارانہ معاشی نظام، طبقاتی ناہمواری اور مزدور طبقے کے مسائل جیسے عوامل نے نمایاں طور پر متاثر کیا۔ جدید ریاست نے ان مسائل کے تدارک کے لیے سماجی تحفظ، عوامی تعلیم، صحتِ عامہ، بے روزگاری الاؤنس، پنشن اور دیگر فلاحی اقدامات کو ریاستی ذمہ داریوں کا حصہ بنایا۔

ریاستِ مدینہ اور جدید فلاحی ریاست کے درمیان بنیادی مماثلت اس امر میں پائی جاتی ہے کہ دونوں میں انسانی فلاح، معاشرتی نظم، کمزور طبقات کے تحفظ اور اجتماعی ذمہ داری کو اہمیت حاصل ہے؛ تاہم دونوں کے فکری و نظریاتی منابع، مقاصد، ترجیحات اور عملی طریقۂ کار میں نمایاں فرق بھی موجود ہے۔ جدید فلاحی ریاست کا تصور بنیادی طور پر انسانی تجربے، جدید سیاسی فکر، سماجی معاہدے، معاشی نظریات اور وضعی قوانین کے ارتقائی عمل سے تشکیل پایا، جبکہ ریاستِ مدینہ کی فلاحی بنیادیں وحیِ الٰہی، نبوی تعلیمات، اسلامی اخلاقیات، عدلِ اجتماعی اور انسانی تکریم کے اصولوں پر قائم تھیں۔ یہی بنیادی فرق دونوں نظاموں کے تقابلی مطالعے کو علمی اعتبار سے نہایت اہم بنا دیتا ہے۔

عصرِ حاضر میں غربت، بے روزگاری، دولت کی غیر مساوی تقسیم، معاشی استحصال، سماجی عدم تحفظ اور بنیادی سہولیات تک غیر مساوی رسائی جیسے مسائل نے فلاحی ریاست کے تصور کو مزید اہم بنا دیا ہے۔ اگرچہ جدید فلاحی ریاستوں نے شہریوں کے معاشی و سماجی تحفظ کے لیے متعدد مؤثر اقدامات کیے ہیں، تاہم موجودہ عالمی معاشی نظام میں بڑھتی ہوئی معاشی ناہمواری اور سماجی عدم تحفظ اس امر کی متقاضی ہے کہ فلاح و بہبود کے مختلف تاریخی اور نظریاتی ماڈلز کا از سرِ نو جائزہ لیا جائے۔ اس تناظر میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں کا مطالعہ محض تاریخی اہمیت کا حامل نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے ریاستی اور معاشرتی مسائل کے تناظر میں بھی غیر معمولی معنویت رکھتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل کا جدید فلاحی ریاست کے ساتھ تقابلی مطالعہ اس امر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ دونوں نظام انسانی فلاح کے لیے کن اصولوں کو اختیار کرتے ہیں، ان کے ذرائع اور طریقۂ کار میں کیا مماثلتیں اور اختلافات ہیں، اور ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں سے عصرِ حاضر کے لیے کس نوعیت کی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بالخصوص عدلِ اجتماعی، معاشی توازن، کمزور طبقات کی کفالت، دولت کی منصفانہ گردش، انسانی وقار، ریاستی ذمہ داری اور سماجی یکجہتی جیسے اصول موجودہ فلاحی ریاست کے تصور کے ساتھ تقابلی مطالعے کے لیے اہم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست کا سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تقابلی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس تحقیق میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں، اس کے معاشرتی و معاشی اقدامات اور کمزور طبقات کے تحفظ کے نظام کا جائزہ لیتے ہوئے جدید فلاحی ریاست کے بنیادی تصورات اور عملی ڈھانچے کے ساتھ ان کا تقابلی تجزیہ کیا جائے گا۔ مزید بر آں، دونوں نظاموں میں موجود مماثلتوں اور امتیازات کو واضح کرتے ہوئے یہ جائزہ لیا جائے گا کہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصول عصرِ حاضر کے معاشی و سماجی مسائل کے حل اور ایک متوازن، عادلانہ اور انسان دوست فلاحی نظام کی تشکیل میں کس حد تک رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں۔

ریاستِ مدینہ کا فلاحی تصور: سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

1: عدل و انصاف کا قیام

کسی بھی ریاست کی کامیابی اور استحکام کے بنیادی عوامل میں عدل و انصاف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دنیا کے مختلف معاشروں کی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جہاں عدل و انصاف کا نظام کمزور پڑتا ہے، وہاں معاشرتی بے چینی، عوامی احتجاج، طبقاتی کشمکش اور ریاستی عدم استحکام پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی لیے ایک کامیاب ریاست کی بنیادی ذمہ داریوں میں یہ امر شامل ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کو بلا امتیاز قانونی تحفظ فراہم کرے اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنائے۔

ریاستِ مدینہ کی بنیاد بھی عدل و انصاف کے اسی جامع اصول پر قائم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بحیثیت نبی اور حکمران اپنے قول و عمل سے یہ واضح فرما دیا کہ قانون کی نظر میں تمام افراد برابر ہیں اور کسی شخص کی دولت، منصب، خاندانی حیثیت، قبائلی تعلق یا سماجی مرتبہ اسے قانون سے بالاتر نہیں کر سکتا۔ ریاستِ مدینہ میں عدل کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ ریاست میں موجود مختلف طبقات کے حقوق کے تحفظ کو بھی بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا وہ تاریخی فرمان نہایت واضح اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جو آپ ﷺ نے ایک بااثر قبیلے کی عورت کی چوری کے مقدمے میں سفارش کیے جانے پر ارشاد فرمایا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے حق میں سفارش کی تو آپ ﷺ نے ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

انما اهلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف

اقاموا علیه الحد، وایم الله لو ان فاطمة بنت محمدسرقت لقطعت یدها[3]

تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی بااثر شخص چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور شخص چوری کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دوں گا۔

یہ فرمان ریاستِ مدینہ میں قانون کی بالادستی اور بلاامتیاز عدل کا بنیادی اصول واضح کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فلاحی ریاست میں عوامی فلاح محض معاشی سہولیات کی فراہمی کا نام نہیں بلکہ عدل، مساوات، حقوق کے تحفظ اور قانون کی یکساں بالادستی بھی فلاحِ عامہ کے بنیادی اجزا ہیں۔

2: معاشی کفالت اور بیت المال کا نظام

ریاستِ مدینہ کے فلاحی نظام میں معاشی کفالت کو بھی بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اسلامی ریاست میں مالی وسائل کا مقصد محض حکومتی اخراجات پورے کرنا نہیں بلکہ معاشرے کے ضرورت مند طبقات کی ضروریات پوری کرنا اور اجتماعی فلاح کو یقینی بنانا بھی تھا۔ اسی تناظر میں بیت المال کو ریاستی مالیاتی نظام میں ایک اہم ادارے کی حیثیت حاصل ہوئی، جس کے ذریعے ریاستی آمدنی کو اجتماعی ضروریات اور مستحق طبقات کی فلاح کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ضرورت مند افراد کی کفالت کو اسلامی معاشرت میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معاشرے کے کمزور اور محتاج افراد کی مدد، خبرگیری اور کفالت کی ترغیب دی۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اسی فلاحی تصور کو آگے بڑھایا اور بیت المال کو منظم ریاستی ادارے کی حیثیت سے ترقی دی۔ اسلامی حکومت میں حضرت عمرؓ کے نزدیک عرب و عجم، قریشی و غیر قریشی، آزاد و غلام سب قانون کی نگاہ میں برابر تھے۔ بیت المال کسی خاص طبقہ یا خاندان کی جاگیر نہ تھا بلکہ تمام مسلمانوں، بلکہ غیر مسلم رعایا کے حقوق کی ادائیگی کا ذریعہ تھا۔[4] اس تصور سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں ریاستی وسائل کسی مخصوص طبقے یا حکمران خاندان کی ملکیت نہیں ہوتے، بلکہ ان کا بنیادی مقصد اجتماعی مفاد اور عوامی فلاح کا حصول ہوتا ہے۔ یہی اصول جدید فلاحی ریاست میں ریاستی وسائل کے ذریعے عوامی بہبود اور سماجی تحفظ کے تصور سے ایک اہم مماثلت رکھتا ہے۔

3: زکوٰۃ، صدقات اور دولت کی منصفانہ تقسیم

ریاستِ مدینہ چونکہ اسلامی اصولوں پر قائم تھی، اس لیے اس کے معاشی نظام میں زکوٰۃ، صدقات اور دیگر مالی عبادات و ذمہ داریوں کو خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اسلامی معاشی نظام کا ایک بنیادی مقصد معاشرے میں معاشی توازن پیدا کرنا، ضرورت مند طبقات کی کفالت کرنا اور دولت کے غیر منصفانہ ارتکاز کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، کفارات، عشر اور فدیہ وغیرہ اسی وسیع معاشی و فلاحی نظام کے مختلف اجزا ہیں۔

قرآنِ مجید نے زکوٰۃ کے مصارف کو واضح طور پر متعین کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔[5]

صدقات کے مستحق فقراء، مساکین، ان کے لیے کام کرنے والے اہلکار، وہ لوگ جن کی دل جوئی مقصود ہو،

غلاموں کی آزادی، مقروض افراد کی مدد، اللہ کی راہ اور مسافروں کی اعانت کے لیے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی معاشی نظام میں مالی وسائل کی تقسیم کو محض انفرادی سخاوت پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ زکوٰۃ کے مصارف متعین کر کے معاشرے کے مختلف ضرورت مند طبقات کے حقوق کو باقاعدہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اس طرح زکوٰۃ اور دیگر مالی ذرائع معاشی گردش، سماجی کفالت اور محروم طبقات کی معاونت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کو محض اخلاقی صدقہ نہیں بلکہ ریاستی فریضہ قرار دیا۔ خلافتِ راشدہ میں زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعے غربت، یتیمی، بیوگی اور معاشی ناہمواری کو کم کیا گیا۔ کوئی شہری، خواہ عرب ہو یا غیر عرب، اس بنیادی حق سے محروم نہ تھا۔ یوں زکوٰۃ اور صدقات کا نظام ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور میں معاشی انصاف اور سماجی تحفظ کا ایک مؤثر ذریعہ تھا، جس کے ذریعے معاشرے کے کمزور طبقات کو ریاستی و اجتماعی تعاون فراہم کیا جاتا اور دولت کی گردش کو معاشرے کے مختلف طبقات تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی۔

4: مؤاخاتِ مدینہ: سماجی یکجہتی کا عملی نمونہ

مؤاخاتِ مدینہ اسلامی تاریخ میں سماجی یکجہتی، انسانی ہمدردی اور اجتماعی تعاون کی ایک منفرد مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین اور مدینہ منورہ کے انصار کے درمیان جو رشتۂ اخوت قائم فرمایا، وہ محض جذباتی بھائی چارے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس کے عملی اور معاشی اثرات بھی نمایاں تھے۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین کو اپنے حقیقی بھائیوں کی طرح قبول کیا، ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات کا حصہ سمجھا اور ان کے مسائل کے حل کے لیے عملی تعاون پیش کیا۔ اس مؤاخات نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا جس میں معاشی و سماجی تفاوت کے باوجود باہمی ہمدردی، تعاون اور اخوت کو فروغ حاصل ہوا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان مؤاخات کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور حضرت سعد بن ربیع کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ حضرت سعد مالدار تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالرحمن سے کہا: میں انصار میں بہت مالدار ہوں۔ اپنا آدھا مال آپ کو دے دیتا ہوں۔ یہاں تک پیش کش بھی کی کہ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے جسے تم پسند کرو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت کے بعد آپ اس سے شادی کر لینا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت دے، مجھے بازار کا راستہ دکھا دو۔ چنانچہ انہوں نے تجارت شروع کی اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔[6] یہ واقعہ مؤاخاتِ مدینہ کے معاشی و سماجی پہلو کو واضح کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فلاحی تصور میں ضرورت مند کی مدد کے ساتھ ساتھ اسے معاشی خود کفالت کی طرف لے جانا بھی اہم ہے۔ چنانچہ مؤاخاتِ مدینہ محض وقتی امداد کا نظام نہیں تھا بلکہ اس میں باہمی تعاون، معاشی معاونت، سماجی انضمام اور خود کفالت کے عناصر بھی موجود تھے۔

5: میثاقِ مدینہ اور مذہبی رواداری

ریاستِ مدینہ کی تشکیل کے بعد مختلف مذہبی، قبائلی اور سماجی گروہوں کے درمیان تعلقات کو منظم کرنے کے لیے میثاقِ مدینہ ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس معاہدے کے ذریعے مدینہ میں آباد مختلف گروہوں کے باہمی حقوق و فرائض، اجتماعی ذمہ داریوں، امن و امان اور ریاستی نظم سے متعلق اصول متعین کیے گئے۔ اس طرح ریاستِ مدینہ میں مختلف گروہوں کے درمیان ایک منظم سیاسی و سماجی تعلق قائم کرنے کی بنیاد فراہم ہوئی۔

میثاقِ مدینہ کے ذریعے ریاست کے مختلف گروہوں کو اپنے مذہبی تشخص اور داخلی معاملات میں آزادی دی گئی اور اجتماعی امن، جان و مال کے تحفظ اور ریاستی دفاع کے حوالے سے مشترکہ ذمہ داریاں متعین کی گئیں۔ اس اعتبار سے میثاقِ مدینہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی و سماجی تصور میں مذہبی رواداری، باہمی احترام، شہری ذمہ داری اور اجتماعی امن کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے۔ ڈاکٹر احمد رضا رقمطراز ہیں:

"رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے یثرب آئے اور اسے مدینہ منورہ بنا دیا۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی۔ رسول اللہ ﷺ ہجرت کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں ہی قیام فرما تھے کہ آپ ﷺ نے میثاقِ مدینہ کا بھی اہتمام کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مہاجرین، انصار، یہود، عیسائی اور دیگر قبائل کو جمع کیا۔ ان سے گفتگو فرمائی اور اس موقع پر ایک تحریر لکھوائی۔ یہ نہ صرف آپ ﷺ کا ایک فرمان تھا بلکہ تمام لوگوں کا اقرار نامہ بھی تھا، جس پر ان لوگوں کے دستخط تھے۔ اس میثاق مدینہ کے بنیادی نکات یہ تھے: آبادیوں میں امن و امان قائم رہے گا تاکہ سکون سے نئی نسل کی تربیت کی جاسکے۔ مذہب اور معاش کی آزادی ہوگی۔ فتنہ وفساد کو قوت سے ختم کیا جائے گا۔ بیرونی حملوں کا مل کر مقابلہ کیا جائے گا۔ حضور اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی جنگ کے لیے نہیں نکلے گا۔ میثاق کے احکام کے بارے میں اختلاف پیدا ہو تو رسول اللہ ﷺ سے رجوع کیا جائے گا۔"[7]

مذکورہ اصولوں سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ میں اجتماعی نظم کو محض ایک مذہبی یا قبائلی وحدت تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ مختلف گروہوں کو ایک منظم سیاسی معاشرے کا حصہ بنایا گیا۔ یہی پہلو جدید ریاست میں شہری ہم آہنگی، مذہبی رواداری اور اجتماعی ذمہ داری کے مباحث کے ساتھ تقابلی مطالعے کی اہم بنیاد فراہم کرتا ہے۔

6: کمزور اور محروم طبقات کی کفالت

ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور میں کمزور اور محروم طبقات کی کفالت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ اس دور کے معاشرے میں غلام، یتیم، مسکین، بیوہ اور دیگر ضرورت مند افراد سماجی و معاشی اعتبار سے کمزور طبقات میں شمار ہوتے تھے۔ اسلام نے ان طبقات کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کے حقوق کے تحفظ اور ان کی مدد کو محض اخلاقی خوبی نہیں بلکہ دینی ذمہ داری قرار دیا۔ غلاموں کے معاملے میں اسلام نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی اور مختلف مواقع پر غلاموں کی آزادی کو نیکی اور کفارے کا ذریعہ قرار دے کر غلامی کے خاتمے کی راہیں ہموار کیں۔ اسی طرح یتیموں، بیواؤں اور مساکین کی کفالت کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ نے متعدد تعلیمات ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ"[8]

بیوہ اور مسکین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

اسی طرح یتیم کی کفالت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح اکٹھے ہوں گے۔[9] ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور میں کمزور طبقات کی کفالت محض ریاستی انتظام کا حصہ نہیں تھی بلکہ اسے دینی، اخلاقی اور اجتماعی ذمہ داری کی حیثیت حاصل تھی۔ اس تصور نے معاشرے میں ہمدردی، تعاون اور سماجی ذمہ داری کے احساس کو مضبوط کیا۔

7: تعلیم، صحت اور انسانی ترقی

تعلیم اور انسانی صلاحیتوں کی نشوونما بھی ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور کا اہم حصہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے علم کے حصول، اس کی تعلیم اور دوسروں تک اس کی منتقلی کی بھرپور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ابتدائی اسلامی معاشرے میں تعلیم کو فرد کی ذاتی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اجتماعی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا۔ جنگِ بدر کے بعض قیدیوں کے معاملے میں ان کی مالی استطاعت کے بجائے مسلمانوں کو تعلیم دینے کو فدیے کے طور پر قبول کرنا اس تعلیمی ترجیح کی ایک نمایاں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح مسجدِ نبوی ﷺ سے وابستہ صفہ کی درس گاہ اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں نے اسلامی معاشرے میں تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ صحت، صفائی، علاج اور انسانی جان کے تحفظ سے متعلق اسلامی تعلیمات بھی فلاحی معاشرے کے قیام میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح معاشرے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مختلف عملی اور فنی مہارتوں کے حصول کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صفہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں نو مساجد میں مدرسے قائم تھے جہاں نشانہ بازی، تیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادی طب، علم ہیئت، علم انساب اور علمِ تجوید قرآن کی تعلیم آں حضرت ﷺ کے حکم سے دی جاتی تھی۔"[10] اس طرح تعلیم، صحت، عملی مہارتوں اور انسانی صلاحیتوں کی ترقی کو ریاستی و معاشرتی فلاح کے وسیع تر تصور کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی عناصر جدید فلاحی ریاست میں انسانی ترقی اور سماجی بہبود کے بنیادی اشاریوں میں بھی شامل ہیں۔

8: عوامی خدمت اور جواب دہ حکمرانی

ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ حکمرانی کو محض اقتدار، غلبے یا مراعات کا ذریعہ نہیں بلکہ خدمت، ذمہ داری اور جواب دہی کا منصب سمجھا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں اور ریاستی ذمہ داران کو عوام کے حقوق کی ادائیگی، ان کی ضروریات کا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی۔ اس تصور میں حاکم اور رعایا کے درمیان تعلق محض اقتدار اور اطاعت کا نہیں بلکہ ذمہ داری اور جواب دہی کا بھی تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات نے خلفائے راشدین کی حکمرانی پر بھی گہرا اثر ڈالا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طرزِ حکمرانی اس تصور کی نمایاں مثال ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو اس قدر وسیع سمجھتے تھے کہ ریاست کے کسی بھی حصے میں کسی مخلوق کو پہنچنے والی تکلیف کو بھی اپنی ذمہ داری سے متعلق تصور کرتے تھے۔ ابو نعیم اصبہانی لکھتے ہیں:

> قال عمربن الخطاب:لوماتت شاةعلى شط الفرات ضائعةلظننت ان الله تعالىٰ سائلی عنہایوم القیامة[11]
>
> حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری بھی بھوکی مر گئی تو مجھے گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے متعلق مجھ سے سوال کریں گے۔

اگرچہ یہ قول براہِ راست ریاستِ مدینہ کے عہدِ نبوی ﷺ سے متعلق نہیں، تاہم یہ اس فلاحی اور جواب دہ حکمرانی کی عملی تعبیر ضرور پیش کرتا ہے جس کی فکری و اخلاقی بنیاد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں موجود تھی۔ اس سے یہ اصول سامنے آتا ہے کہ اسلامی طرزِ حکمرانی میں اقتدار ایک اعزاز سے زیادہ ایک امانت اور ذمہ داری ہے، اور حکمران کی کامیابی کا معیار عوام کی فلاح، حقوق کا تحفظ اور معاشرے کے کمزور افراد کی خبر گیری ہے۔

جدید فلاحی ریاست: تصور، ارتقاء اور بنیادی اصول

ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور کے بعد جدید فلاحی ریاست کے تصور، تاریخی ارتقاء، نظریاتی بنیادوں اور بنیادی اصولوں کا

مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ دونوں نظاموں کے فلاحی تصورات کا تقابلی جائزہ ایک واضح علمی بنیاد پر قائم کیا جا سکے۔

1: جدید فلاحی ریاست کا تصور

جدید فلاحی ریاست (Welfare State) سے مراد ایسا ریاستی نظام ہے جس میں شہریوں کی معاشی و سماجی بہبود اور بنیادی سماجی تحفظ ریاستی ذمہ داریوں کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی ریاست محض دفاع، امن و امان اور عدالتی نظام تک محدود نہیں رہتی بلکہ بیماری، بڑھاپے، بے روزگاری، معذوری اور دیگر سماجی خطرات کے مقابلے میں سماجی تحفظ، صحت، تعلیم اور دیگر عوامی خدمات کی فراہمی میں بھی کردار ادا کرتی ہے۔ جدید فلاحی ریاست کی نوعیت اور دائرۂ کار مختلف ممالک میں یکساں نہیں بلکہ ان کے سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کے مطابق مختلف ہے۔[12]

Gøsta Esping-Andersen کے مطابق فلاحی ریاست کو محض ریاستی اخراجات یا دی جانے والی سہولیات کی مقدار سے نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ اس کے جائزے میں سماجی حقوق، ریاست، منڈی اور خاندان کے باہمی تعلق اور شہریوں کے معاشی تحفظ کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔[13] اسی طرح T. H. Marshall نے جدید شہریت کے تصور میں سماجی حقوق کو بھی بنیادی اہمیت دی۔ ان کے مطابق شہری حقوق کی تکمیل صرف قانونی اور سیاسی حقوق سے نہیں ہوتی بلکہ شہریوں کو ایسے سماجی حقوق بھی حاصل ہونے چاہئیں جو انہیں معاشرے میں ایک باوقار زندگی گزارنے کے قابل بنائیں۔[14] اس اعتبار سے فلاحی ریاست کا تصور ریاست اور شہری کے تعلق کو محض قانون، نظم و نسق اور سیاسی حقوق تک محدود نہیں رکھتا بلکہ شہریوں کے سماجی و معاشی تحفظ کو بھی ریاستی ذمہ داریوں کا حصہ بناتا ہے۔

2: جدید فلاحی ریاست کا ارتقاء

جدید فلاحی ریاست کا ارتقاء کسی ایک واقعے یا ایک مفکر کی کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک طویل تاریخی، سیاسی، معاشی اور سماجی عمل کا حاصل ہے۔ اس کی ابتدائی صورتیں صنعتی انقلاب سے قبل موجود غریب پرور قوانین اور امدادی انتظامات میں بھی ملتی ہیں، تاہم انیسویں صدی میں صنعتی سرمایہ داری، شہری آبادی میں اضافے، مزدوروں کے مسائل، بیماری، غربت اور کام کے غیر محفوظ حالات نے ریاستی سماجی پالیسی کی ضرورت کو مزید نمایاں کیا۔ اس سلسلے میں جرمنی کے چانسلر اوٹو فان بسمارک (Otto von Bismarck) کی سماجی قانون سازی کو جدید ریاستی سماجی تحفظ کے ارتقاء میں ایک اہم سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ جرمنی میں 1883ء میں مزدوروں کے لیے بیماری کی انشورنس، 1884ء میں صنعتی حادثات سے متعلق انشورنس اور 1889ء میں معذوری اور بڑھاپے سے متعلق انشورنس کا قانونی نظام قائم کیا گیا۔ ان اقدامات نے سماجی تحفظ کو ریاستی قانون سازی اور باقاعدہ ادارہ جاتی انتظام سے جوڑ دیا۔[15]

بیسویں صدی میں برطانیہ میں سر ولیم بیورج (William Beveridge) کی 1942ء کی مشہور رپورٹ Social Insurance and Allied Services نے جدید سماجی تحفظ کے تصور کو ایک جامع پالیسی فریم ورک فراہم کیا۔ یہ رپورٹ نومبر 1942ء میں برطانوی پارلیمنٹ میں پیش کی گئی اور اس میں سماجی انشورنس کو ایک وسیع تر سماجی پالیسی کا حصہ قرار دیتے ہوئے غربت، بیماری، جہالت، ناقص رہائش اور بے روزگاری جیسے مسائل سے نمٹنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ بیورج نے ان مسائل کو معروف اصطلاح "Five Giants" کے ذریعے بیان کیا: Want، Disease، Ignorance، Squalor اور Idleness۔ ان کے نزدیک سماجی انشورنس آمدنی کے تحفظ کا ذریعہ تھا، لیکن مکمل سماجی ترقی کے لیے اس کے ساتھ دیگر عوامی پالیسیوں کی بھی ضرورت تھی۔[16]

دوسری جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ سمیت یورپ کے متعدد ممالک میں سماجی تحفظ، صحت، تعلیم، روزگار اور دیگر عوامی

خدمات کے نظام کو نمایاں طور پر وسعت دی گئی۔ مختلف ممالک نے اپنے تاریخی، سیاسی اور معاشی حالات کے مطابق فلاحی ریاست کے مختلف ماڈلز اختیار کیے۔ Esping–Andersen نے بعد میں مغربی فلاحی ریاستوں کی مختلف صورتوں کو لبرل، قدامت پسند یا کارپوریٹسٹ اور سوشل ڈیموکریٹک رجیمز کی صورت میں درجہ بند کیا۔ لہٰذا جدید فلاحی ریاست کو صنعتی انقلاب کے فوراً بعد وجود میں آنے والا ایک مکمل ریاستی ماڈل قرار دینے کے بجائے اسے انیسویں اور بیسویں صدی میں بتدریج تشکیل پانے والے سماجی تحفظ، عوامی خدمات اور ریاستی ذمہ داری کے ادارہ جاتی نظام کے طور پر سمجھنا زیادہ درست ہے۔

3: جدید فلاحی ریاست کی نظریاتی بنیادیں

جدید فلاحی ریاست کی فکری تشکیل میں متعدد سیاسی، سماجی اور معاشی مفکرین کے افکار نے کردار ادا کیا۔ ان میں بالخصوص T. H. Marshall، John Rawls اور John Maynard Keynes کے نظریات قابلِ ذکر ہیں۔

الف: T. H. Marshall اور سماجی شہریت

برطانوی ماہر عمرانیات T. H. Marshall نے اپنی معروف کتاب Citizenship and Social Class and Other Essays میں شہریت کے ارتقاء کو شہری، سیاسی اور سماجی حقوق کے تناظر میں بیان کیا۔ ان کے مطابق جدید شہریت کا تصور صرف قانونی آزادیوں اور سیاسی شرکت تک محدود نہیں بلکہ سماجی حقوق بھی اس کا بنیادی جزو ہیں۔ سماجی حقوق میں معاشرے کے مروجہ معیار کے مطابق ایک باوقار زندگی گزارنے کے لیے ضروری معاشی و سماجی سہولیات تک رسائی شامل ہے۔[17] Marshall کا یہ تصور جدید فلاحی ریاست کی اس بنیاد کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے جس کے مطابق ریاست شہریوں کو محض قانونی تحفظ فراہم کرنے کے بجائے ان کے سماجی تحفظ اور بنیادی سہولیات کی فراہمی میں بھی کردار ادا کرتی ہے۔

ب: جان راولز اور "عدل بطور انصاف"

John Rawls نے اپنی معروف کتاب A Theory of Justice میں "Justice as Fairness" یعنی "عدل بطور انصاف" کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے بنیادی آزادیوں کے ساتھ سماجی و معاشی عدم مساوات کے بارے میں یہ اصول پیش کیا کہ ایسی عدم مساوات کو اس صورت میں قابلِ قبول سمجھا جا سکتا ہے جب وہ معاشرے کے کم سے کم مراعات یافتہ افراد کے مفاد میں ہو۔ اسے Rawls کے نظریے میں Difference Principle کہا جاتا ہے۔[18] یہ تصور جدید فلاحی ریاست کے ان اقدامات سے فکری مناسبت رکھتا ہے جن کے ذریعے ریاست کمزور اور محروم طبقات کی معاشی و سماجی حالت بہتر بنانے کے لیے مختلف پالیسیوں اور اداروں کو استعمال کرتی ہے۔

ج: جان مینارڈ کینز اور ریاست کا معاشی کردار

John Maynard Keynes نے معاشی کساد اور بے روزگاری کے حالات میں ریاست کے فعال معاشی کردار پر زور دیا۔ ان کے نزدیک محض مالیاتی منڈیوں پر انحصار معاشی استحکام اور مکمل روزگار کی ضمانت نہیں دیتا۔ The General Theory of Employment, Interest and Money کے آخری باب میں Keynes نے ریاست کی جانب سے سرمایہ کاری اور معاشی سرگرمی کو مؤثر انداز میں منظم کرنے کی ضرورت پر بحث کی اور مکمل روزگار کے حصول کے لیے ریاستی کردار کی اہمیت کو واضح کیا۔[19] کینزی معاشی فکر نے خصوصاً بیسویں صدی کے وسط میں ریاست کے معاشی کردار اور عوامی اخراجات سے متعلق پالیسی مباحث

پر گہرا اثر ڈالا اور یوں جدید فلاحی ریاست کے معاشی پہلو کو سمجھنے میں بھی اہمیت حاصل کی۔

د: جدید سیاسی فکر اور فلاحی ریاست

جدید فلاحی ریاست کے فکری پس منظر کو سمجھنے کے لیے جدید مغربی سیاسی فکر کا مطالعہ بھی اہم ہے۔ فرد کی آزادی، بنیادی حقوق، قانون کی حکمرانی، سیاسی شرکت اور ریاستی اختیارات کی تنظیم جیسے تصورات نے جدید سیاسی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم لبرل سیاسی فکر اور جدید فلاحی ریاست کو ایک ہی تاریخی مرحلے یا ایک ہی فکری ماخذ کا نتیجہ قرار دینا درست نہیں؛ فلاحی ریاست کا ادارہ جاتی ارتقاء متعدد سیاسی، معاشی اور سماجی عوامل کے باہمی اثر سے تشکیل پایا۔

4: جدید فلاحی ریاست کے بنیادی اصول

جدید فلاحی ریاست کی ساخت اور ترجیحات مختلف ممالک میں مختلف ہیں، تاہم سماجی تحفظ، صحت، تعلیم، معاشی تحفظ، روزگار، مزدوروں کے حقوق اور سماجی مساوات اس کے نمایاں عناصر میں شمار ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ILO بھی سماجی تحفظ کو افراد اور خاندانوں کو مختلف سماجی و معاشی خطرات سے تحفظ فراہم کرنے والے نظام کے طور پر دیکھتی ہے۔

الف: سماجی تحفظ (Social Security)

فلاحی ریاست کا بنیادی مقصد شہریوں کو بیماری، بڑھاپے، معذوری، بے روزگاری اور دیگر سماجی خطرات کے مقابلے میں معاشی و سماجی تحفظ فراہم کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے مختلف ممالک پنشن، بیماری کی صورت میں مالی معاونت، بے روزگاری الاؤنس، معذوری کے فوائد، خاندانوں کے لیے معاونت اور دیگر سماجی تحفظ کی اسکیمیں تشکیل دیتے ہیں۔ اس طرح سماجی تحفظ کا نظام فرد کو ایسے حالات میں بنیادی معاشی سہارا فراہم کرتا ہے جب وہ اپنی آمدنی کے ذریعے ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو۔

ب: تعلیم کا حق

تعلیم انسانی صلاحیتوں کی نشوونما، معاشی مواقع اور سماجی ترقی کا بنیادی ذریعہ ہے۔ جدید ریاستوں میں عوامی تعلیم کی فراہمی کو انسانی ترقی اور سماجی مواقع میں وسعت کے اہم ذرائع میں شمار کیا جاتا ہے۔ Amartya Sen کے ترقیاتی نظریے میں بھی تعلیم اور صحت جیسی سہولیات کو انسانی صلاحیتوں اور آزادیوں کے فروغ کے لیے اہم قرار دیا گیا ہے۔[20] اسی لیے جدید فلاحی ریاست میں معیاری اور قابلِ رسائی تعلیم کی فراہمی کو عوامی پالیسی کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔

ج: صحت کی سہولیات

صحتِ عامہ اور بنیادی طبی سہولیات کی فراہمی بھی جدید فلاحی ریاست کے اہم اجزا میں شامل ہے۔ ریاستیں مختلف طریقوں سے شہریوں کو طبی خدمات، صحتِ عامہ، علاج، بیماریوں سے تحفظ اور صحت کے مالی خطرات سے بچانے کے لیے نظام تشکیل دیتی ہیں۔ عالمی ادارۂ صحت نے صحت کے نظام کے جائزے میں ریاستی نگرانی، وسائل، مالی اعانت اور طبی خدمات کی فراہمی کو صحت کے نظام کے اہم افعال میں شمار کیا ہے۔[21] اس اعتبار سے شہریوں کو بنیادی صحت کی سہولیات تک قابلِ رسائی بنانا جدید فلاحی ریاست کی اہم ذمہ داریوں میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

د: معاشی انصاف

فلاحی ریاست معاشی عدم مساوات اور غربت کو کم کرنے کے لیے مختلف مالیاتی اور سماجی پالیسیوں سے استفادہ کرتی ہے۔

ترقی پسند ٹیکس، سماجی اخراجات، نقد معاونت، پنشن، سماجی انشورنس اور دیگر فلاحی پروگرام کم آمدنی والے طبقات کے معاشی تحفظ میں کردار ادا کرتے ہیں۔ Anthony B. Atkinson نے معاشی عدم مساوات کو کم کرنے کے لیے روزگار، سماجی تحفظ، سرمائے کی تقسیم اور ٹیکس پالیسی سمیت مختلف شعبوں میں ریاستی اقدامات کی اہمیت پر تفصیلی بحث کی ہے۔[22] یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ جدید فلاحی ریاست کا مقصد لازماً مکمل معاشی مساوات قائم کرنا نہیں بلکہ معاشی محرومی اور انتہائی عدم مساوات کو کم کرنا، بنیادی معاشی تحفظ فراہم کرنا اور شہریوں کے لیے نسبتاً منصفانہ مواقع پیدا کرنا ہے۔

ہ: روزگار اور مزدوروں کے حقوق

روزگار کے مواقع، محفوظ کام کے حالات اور مزدوروں کے بنیادی حقوق بھی فلاحی ریاست کے اہم عناصر ہیں۔ ریاست مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لیے اجرت، کام کے اوقات، کام کی جگہ پر تحفظ، سماجی تحفظ اور دیگر قانونی معاملات سے متعلق قوانین اور ضوابط وضع کرتی ہے۔ بین الاقوامی ادارۂ محنت (ILO) نے Decent Work کے تصور کے تحت روزگار کے مواقع، کام کی جگہ پر بنیادی حقوق، سماجی تحفظ اور سماجی مکالمے کو چار بنیادی اہداف کے طور پر نمایاں کیا ہے۔[23] اس اعتبار سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ صرف روزگار پیدا کرنے تک محدود نہیں بلکہ محفوظ، منصفانہ اور باوقار روزگار کے مواقع پیدا کرنا بھی فلاحی ریاست کی ذمہ داری کا حصہ ہے۔

و: مساوات اور انسانی حقوق

جدید فلاحی ریاست میں مساوی شہری حقوق، سماجی مواقع اور بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ فلاحی ریاست کی پالیسیوں کا ایک مقصد یہ ہے کہ شہریوں کو سماجی و معاشی زندگی میں ایسے مواقع میسر ہوں جن سے وہ محض اپنی پیدائش، معاشی حالت یا سماجی محرومی کی وجہ سے محروم نہ رہیں۔ T. H. Marshall کے سماجی شہریت کے تصور میں بھی سماجی حقوق کو جدید شہریت کا اہم جزو قرار دیا گیا ہے، جبکہ جدید سماجی پالیسیوں میں تعلیم، صحت، سماجی تحفظ اور روزگار کے مواقع کو سماجی شمولیت اور شہری بہبود سے جوڑا جاتا ہے۔[24] چنانچہ جدید فلاحی ریاست کا تصور صرف مالی امداد کی فراہمی تک محدود نہیں بلکہ سماجی تحفظ، انسانی ترقی، تعلیم، صحت، معاشی مواقع، روزگار، مساوات اور انسانی وقار کے تحفظ پر مشتمل ایک وسیع ریاستی ذمہ داری کا تصور ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جدید فلاحی ریاست کا مقصد شہریوں کی معاشی اور سماجی بہبود کو یقینی بنانا ہے۔ یہ نظام انسانی تجربات، سماجی معاہدوں اور معاشی نظریات کی بنیاد پر وجود میں آنے والا ایک فلاحی نظام ہے۔ اس کے برعکس ریاست مدینہ کا فلاحی ماڈل انسانی خدمت، اخلاقی ذمہ داری، وحی الٰہی اور دینی اقدار پر استوار ہے۔ اگرچہ جدید ویلفئیر اسٹیٹ اور ریاست مدینہ اپنے مقصد فلاح انسانی میں مشترک ہیں، لیکن ان کی نظریاتی بنیادیں، محرکات اور عملی جہات ایک دوسرے سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ یہی فرق دونوں نظاموں کے تقابلی مطالعے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست: تقابلی مطالعہ

ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست دونوں میں انسانی فلاح، معاشرتی استحکام، کمزور طبقات کے تحفظ اور معاشی و سماجی مسائل کے ازالے کو اہمیت حاصل ہے۔ تاہم دونوں نظاموں کے درمیان ان کے نظریاتی مصادر، فلاح کے تصور، ریاستی ذمہ داریوں، وسائل کی فراہمی و تقسیم اور فرد و ریاست کے باہمی تعلق کے حوالے سے نمایاں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ جدید

فلاحی ریاست نے شہریوں کے سماجی و معاشی تحفظ کے لیے متعدد ادارہ جاتی اور قانونی نظام تشکیل دیے ہیں، جبکہ ریاستِ مدینہ کا فلاحی تصور وحیِ الٰہی، اسلامی شریعت اور اخلاقی و دینی ذمہ داریوں سے مربوط تھا۔ چنانچہ دونوں نظاموں کے درمیان موجود مماثلتوں کے ساتھ ساتھ ان کے بنیادی فکری اختلافات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

1: نظریاتی بنیادیں

ریاستِ مدینہ کی نظریاتی بنیاد قرآنِ کریم، سنتِ نبوی ﷺ اور اسلامی شریعت پر قائم تھی۔ معاشرتی نظم ہو یا عدل و انصاف، معاشی معاملات ہوں یا اجتماعی ذمہ داریاں، ریاستی نظام کی بنیادی رہنمائی وحیِ الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے حاصل ہوتی تھی۔ البتہ عملی ریاستی معاملات میں اجتہاد، مشاورت اور حالات کے مطابق انتظامی فیصلوں کی گنجائش بھی موجود تھی۔ اس کے مقابلے میں جدید فلاحی ریاست کسی ایک متفقہ نظریاتی بنیاد کی نمائندگی نہیں کرتی، بلکہ مختلف ممالک میں اس کی تشکیل لبرل ازم، سماجی جمہوریت، آئینی اصولوں، انسانی حقوق اور مختلف معاشی و سیاسی نظریات کے اثرات سے ہوئی ہے۔ اس لیے جدید فلاحی ریاست کی بنیاد کو محض "انسانی عقل اور سماجی معاہدے" تک محدود کرنا درست نہیں ہو گا۔ یوں دونوں نظاموں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ریاستِ مدینہ میں ریاستی فلاح کا تصور دینی و اخلاقی ذمہ داری سے گہرا تعلق رکھتا ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست میں فلاحی ذمہ داریاں بنیادی طور پر شہری حقوق، قانون، سماجی پالیسی اور ریاستی اداروں کے ذریعے متعین ہوتی ہیں۔

2: مقصدِ ریاست

ریاستِ مدینہ کے فلاحی و اجتماعی تصور کو قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے:

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ۔[25]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

یہ آیت ریاستی اقتدار کے مقاصد کا ایک اہم اسلامی تصور پیش کرتی ہے، جس میں عبادت، معاشی ذمہ داری اور اجتماعی اخلاقی اصلاح باہم مربوط نظر آتے ہیں۔ اقامتِ صلوٰۃ فرد اور معاشرے کی دینی و اخلاقی تربیت کی علامت ہے، جبکہ ادائے زکوٰۃ معاشی ذمہ داری اور ضرورت مند طبقات کی کفالت سے متعلق ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر معاشرے میں اخلاقی اقدار کے فروغ اور برائی کی روک تھام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جدید فلاحی ریاست کا بنیادی مقصد شہریوں کے سماجی و معاشی تحفظ، بنیادی خدمات، مساوی مواقع، انسانی وقار اور معاشرتی بہبود کو یقینی بنانا ہے۔ جدید ویلفیئر ریاست میں مذہب اور روحانیت کا کردار ہر ملک میں یکساں نہیں؛ بعض ریاستوں میں مذہب کا عوامی و سیاسی کردار زیادہ نمایاں ہے جبکہ بعض میں مذہب کو زیادہ تر نجی معاملہ سمجھا جاتا ہے۔

اس طرح بنیادی فرق یہ سامنے آتا ہے کہ ریاستِ مدینہ میں ریاستی فلاح کا تصور دنیاوی ضروریات کے ساتھ دینی و اخلاقی مقاصد سے بھی وابستہ ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست میں فلاحی پالیسیوں کا مرکزی دائرہ عموماً شہریوں کے سماجی، معاشی اور انسانی حقوق و ضروریات سے متعلق ہوتا ہے۔

3: فلاح کا تصور

ریاستی مقاصد کے اس فرق سے دونوں نظاموں میں فلاح کے تصور کا بنیادی امتیاز بھی سامنے آتا ہے۔ ریاستِ مدینہ کے

فلاحی تصور میں انسانی فلاح محض مادی آسودگی تک محدود نہیں بلکہ اس میں اخلاقی تربیت، دینی زندگی، معاشرتی ذمہ داری اور آخرت کی کامیابی بھی شامل ہے۔ اس لیے اسلامی تصورِ فلاح میں فرد کی دنیاوی اور اخروی دونوں جہتوں کو اہمیت حاصل ہے۔ اس کے مقابلے میں جدید فلاحی ریاست کا فلاحی تصور بنیادی طور پر دنیاوی زندگی کے معیار، سماجی تحفظ، معاشی استحکام، صحت، تعلیم، روزگار، انسانی وقار اور مساوی مواقع سے متعلق ہے۔ اگرچہ جدید فلاحی ریاست کے بعض نظام انسانی بہبود کے وسیع تر اخلاقی تصورات کو بھی اہمیت دیتے ہیں، تاہم اس کی ریاستی پالیسی کا بنیادی دائرہ اخروی نجات کے بجائے شہریوں کی دنیاوی زندگی اور سماجی بہبود پر مرکوز ہوتا ہے۔ یہاں دونوں نظاموں کا بنیادی فرق مادی فلاح بمقابلہ دینی و دنیاوی جامع فلاح کے تصور میں نمایاں ہوتا ہے۔

4: معاشی نظام اور وسائل کی تقسیم

ریاستِ مدینہ کے معاشی نظام میں زکوٰۃ، صدقات اور دیگر مالی ذمہ داریوں کے ذریعے ضرورت مند افراد کی معاونت اور معاشرتی تعاون کا اہتمام کیا گیا۔ قرآنِ کریم نے زکوٰۃ کے مصارف متعین کرتے ہوئے فرمایا:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔[26]

یہ نظام ضرورت مند طبقات کی مالی معاونت کے ساتھ معاشرے میں دولت کے ارتکاز کو محدود کرنے اور اجتماعی ذمہ داری کے احساس کو فروغ دینے میں کردار ادا کرتا تھا۔ زکوٰۃ اسلامی نظام میں محض رضاکارانہ عطیہ نہیں بلکہ شرعی فریضہ ہے، جس کی وصولی و تقسیم کے لیے ریاستی انتظام بھی موجود تھا۔ دوسری طرف جدید فلاحی ریاست ٹیکس، سماجی انشورنس، پنشن، سرکاری بجٹ اور مختلف سماجی تحفظ کے پروگراموں کے ذریعے شہریوں کی فلاح کے لیے وسائل فراہم کرتی ہے۔ دونوں نظاموں میں کمزور طبقات کی مدد اور معاشی تحفظ کا مشترک پہلو موجود ہے، تاہم دونوں کے وسائل اور ذمہ داری کی نوعیت مختلف ہے۔

ریاستِ مدینہ میں مالی تعاون کا ایک اہم حصہ دینی و اخلاقی فریضے کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست میں سماجی اخراجات عموماً قانونی، مالیاتی اور ریاستی پالیسی کے تحت انجام دیے جاتے ہیں۔ اس لیے دونوں نظاموں کا مقصد بعض پہلوؤں سے مشترک ہونے کے باوجود ان کی مالیاتی بنیاد اور محرکات میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔

5: ریاست اور فرد کا تعلق

ریاستِ مدینہ میں فرد اور ریاست کے تعلق کی بنیاد صرف حقوق کے مطالبے پر نہیں بلکہ حقوق و فرائض کے باہمی توازن پر قائم تھی۔ فرد کو جان، مال، عزت اور دیگر حقوق کا تحفظ حاصل تھا، جبکہ اس کے ساتھ اس پر دینی، اخلاقی اور اجتماعی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی تھیں۔ زکوٰۃ، صدقات، باہمی تعاون، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے تصورات فرد کو اجتماعی زندگی میں ذمہ دار کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

جدید فلاحی ریاست میں بھی شہریوں کے حقوق کے ساتھ بعض قانونی اور مالی ذمہ داریاں موجود ہوتی ہیں، مثلاً ٹیکس کی ادائیگی، قانون کی پابندی اور بعض سماجی ذمہ داریاں۔ اس لیے یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ جدید فلاحی ریاست میں شہریوں کی ذمہ داریاں صرف محدود قانونی نوعیت کی ہیں۔ تاہم دونوں نظاموں میں فرق یہ ہے کہ ریاستِ مدینہ میں فرد کی ذمہ داری کا تصور دینی و اخلاقی فرائض سے بھی مربوط تھا، جبکہ جدید فلاحی ریاست میں شہری ذمہ داریوں کی بنیادی تشکیل قانون اور شہری معاہدے کے تحت ہوتی ہے۔

6: اخلاقی اور روحانی پہلو

ریاستِ مدینہ کے فلاحی تصور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اجتماعی زندگی کو امانت، عدل، دیانت، تقویٰ اور جواب دہی جیسے اخلاقی اصولوں سے مربوط کیا گیا۔ حکمران اور شہری دونوں کے لیے یہ تصور موجود تھا کہ ان کے اعمال کی جواب دہی صرف دنیاوی قانون کے سامنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی ہوگی۔ اس تصور نے ریاستی اقتدار کو محض انتظامی اختیار کے بجائے ایک اخلاقی ذمہ داری کی حیثیت دی۔ جدید فلاحی ریاست میں بھی حکمرانوں اور ریاستی اداروں کے لیے جواب دہی کا باقاعدہ نظام موجود ہوتا ہے، جس میں آئین، پارلیمان، عدلیہ، انتخابات، آڈٹ ادارے اور دیگر قانونی و جمہوری ادارے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تاہم ریاستِ مدینہ اور جدید فلاحی ریاست کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ ریاستِ مدینہ میں دنیاوی جواب دہی کے ساتھ اخروی جواب دہی بھی ریاستی و اجتماعی اخلاقیات کا حصہ تھی، جبکہ جدید سیکولر ریاستی نظام میں ریاستی احتساب بنیادی طور پر آئینی، قانونی اور ادارہ جاتی ذرائع سے ہوتا ہے۔

7: مشترکہ پہلو اور بنیادی اختلاف

ریاستِ مدینہ اور جدید فلاحی ریاست کے درمیان کئی اہم مشترک پہلو پائے جاتے ہیں۔ دونوں میں انسانی فلاح، کمزور طبقات کے تحفظ، غربت میں کمی، معاشرتی استحکام، عدل و انصاف اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کو اہمیت حاصل ہے۔ تعلیم، صحت، سماجی تحفظ اور ضرورت مند افراد کی معاونت بھی دونوں نظاموں میں مختلف صورتوں کے ساتھ نمایاں نظر آتی ہے۔ تاہم ان مشترک مقاصد کے باوجود دونوں نظاموں کی فکری بنیاد، فلاح کے تصور، ریاستی ذمہ داری کے محرکات اور جواب دہی کے نظام میں بنیادی فرق موجود ہے۔ ریاستِ مدینہ کا فلاحی تصور وحیِ الٰہی، اسلامی شریعت، دینی فرائض اور اخلاقی اقدار سے مربوط ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست مختلف سیاسی و معاشی نظریات، آئینی اصولوں، شہری حقوق اور ریاستی پالیسیوں کے تحت تشکیل پاتی ہے۔ اسی طرح ریاستِ مدینہ میں فلاح کا تصور دنیاوی ضروریات کے ساتھ اخلاقی و روحانی تربیت اور اخروی کامیابی کو بھی شامل کرتا ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست کا ریاستی فلاحی دائرہ بنیادی طور پر شہریوں کی دنیاوی سماجی و معاشی بہبود تک محدود رہتا ہے۔ لہٰذا دونوں نظاموں کے درمیان مکمل مماثلت یا مکمل تضاد کے بجائے جزوی مماثلت اور بنیادی نظریاتی اختلاف کا تعلق پایا جاتا ہے۔ یہی متوازن نتیجہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل کو جدید فلاحی ریاست کے مقابلے میں سمجھنے کے لیے زیادہ مناسب بنیاد فراہم کرتا ہے۔

خلاصہ تقابل

دونوں نظاموں ریاست مدینہ اور جدید فلاحی ریاست میں تقابل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دونوں کا اصل ہدف انسانی فلاح ہی ہے۔ لیکن ہدف کے حصول کے لیے ذرائع مختلف ہیں اور فلاح کے مفہوم میں بھی قدرے تبدیلی نظر آتی ہے۔ ریاست مدینہ وحی الٰہی کے ذریعے روحانی، اخلاقی اور قانونی اصولوں سے مربوط ایک نظام بناتی ہے جس میں حقوق و فرائض دونوں شامل ہیں اور دونوں کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں کے ساتھ ہے۔ لہٰذا فلاح انسانی اجتماعی اور یا انفرادی اور یہ فلاح دنیوی یا اخروی ریاست مدینہ دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھتی ہے۔ ریاست مدینہ کے مقابلے میں جدید فلاحی ریاست کا اصل ہدف دنیاوی اعتبار سے ہی فلاح انسانی ہے، چاہے وہ معاشی ہو، سماجی ہو، انفرادی یا اجتماعی ہو۔ ریاست مدینہ کے ماڈل میں جامعیت کی وجہ سے اسلامی سیاست میں آج بھی مثالی نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل کی افادیت اور عملی امکانات

ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل اور جدید فلاحی ریاست کے تقابلی مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ انسانی فلاح، عدل، معاشرتی استحکام اور کمزور طبقات کا تحفظ ایسے بنیادی مقاصد ہیں جن کی اہمیت ہر دور میں برقرار رہی ہے۔ جدید فلاحی ریاست نے ان مقاصد کے حصول کے لیے آئینی و قانونی ڈھانچوں، ریاستی اداروں اور مختلف سماجی تحفظ کے نظاموں کو فروغ دیا ہے، تاہم عصرِ حاضر میں معاشی عدمِ استحکام، سماجی بے چینی، بدعنوانی، عدمِ مساوات اور خاندانی و معاشرتی مسائل جیسے چیلنجز اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ محض ادارہ جاتی ڈھانچے کی تشکیل ہی جامع انسانی فلاح کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ مؤثر اداروں کے ساتھ اخلاقی اقدار، اجتماعی ذمہ داری، شفافیت اور انسانی کردار کی تعمیر بھی ضروری ہے۔

اس تناظر میں ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل عصرِ حاضر کے لیے براہِ راست کسی تاریخی نظام کی نقل کے بجائے اصولی اور اخلاقی رہنمائی کا ایک اہم سرچشمہ فراہم کرسکتا ہے۔ اس ماڈل میں ریاستی ذمہ داری کے ساتھ فرد کی اخلاقی ذمہ داری، معاشرتی تعاون، کمزور طبقات کی کفالت، عدل و انصاف، امانت و دیانت اور جواب دہی کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں کا مطالعہ جدید ریاستوں کو ایسی پالیسیوں کی تشکیل میں رہنمائی فراہم کرسکتا ہے جو معاشی فلاح کے ساتھ اخلاقی اور سماجی بہبود کو بھی پیشِ نظر رکھیں۔

1: پالیسی سازی کے لیے رہنما اصول

ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل سے یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ عوامی فلاح کے لیے محض مالی وسائل اور ریاستی اخراجات کافی نہیں، بلکہ عدل، شفافیت، امانت، دیانت، جواب دہی اور خدمتِ خلق جیسے اصول بھی مؤثر حکمرانی کے بنیادی عناصر ہیں۔ جدید ریاستیں اگر اپنی پالیسی سازی اور ادارہ جاتی نظام میں ان اصولوں کو مؤثر طور پر بروئے کار لائیں تو سرکاری اداروں کی کارکردگی، عوامی اعتماد اور وسائل کے منصفانہ استعمال میں بہتری کے امکانات پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس تناظر میں ریاستِ مدینہ کا ماڈل یہ تصور پیش کرتا ہے کہ فلاحی ریاست صرف وسائل تقسیم کرنے والا ادارہ نہیں بلکہ عدل و اخلاق پر مبنی اجتماعی نظم بھی ہے۔

2: اسلامی فلاحی اداروں کی جدید تشکیل

عصرِ حاضر میں زکوٰۃ، صدقات، اوقاف اور بیت المال جیسے اسلامی فلاحی تصورات کو جدید انتظامی اور تکنیکی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے امکانات موجود ہیں۔ بالخصوص ڈیجیٹل نظام، شفاف ریکارڈ، مستحقین کی درست شناخت، براہِ راست مالی منتقلی اور مؤثر نگرانی کے ذریعے زکوٰۃ اور دیگر فلاحی وسائل کی وصولی و تقسیم کو زیادہ منظم اور شفاف بنایا جاسکتا ہے۔

اس مقصد کے لیے ریاستی اداروں کے ساتھ مذہبی و فلاحی تنظیموں، غیر سرکاری اداروں اور نجی شعبے کے درمیان مناسب اشتراکِ عمل کی صورتیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ تاہم اس پورے عمل میں شرعی اصولوں، قانونی تقاضوں، شفافیت اور مستحقین کے حقیقی حقوق کو بنیادی اہمیت دینا ضروری ہوگا۔ یوں اسلامی فلاحی اداروں کی جدید تشکیل کا مقصد محض قدیم اداروں کو جدید نام دینا نہیں بلکہ ان کے بنیادی فلاحی مقاصد کو عصرِ حاضر کی انتظامی، قانونی اور تکنیکی ضروریات کے مطابق مؤثر بنانا ہونا چاہیے۔

3: اخلاقی حکمرانی کی ضرورت

عصرِ حاضر میں متعدد ریاستوں نے مضبوط آئینی ڈھانچے، جدید انتظامی ادارے اور قانونی نظام تشکیل دیے ہیں، تاہم

اداروں کی مضبوطی کے باوجود بدعنوانی، اختیارات کے غیر مؤثر استعمال، عوامی اعتماد کے مسائل اور حکمرانی کے معیار سے متعلق چیلنجز مختلف معاشروں میں موجود ہیں۔ ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل کا مطالعہ اس امر کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ مؤثر حکمرانی کے لیے قانون اور اداروں کے ساتھ اخلاقی کردار اور جواب دہی بھی اہم ہیں۔ امانت، دیانت، عدل، خدمتِ خلق اور آخرت کی جواب دہی جیسے تصورات حکمران اور ریاستی اہلکار کے اندر ایک داخلی اخلاقی نگرانی پیدا کرسکتے ہیں۔ اس طرح ریاستی احتساب کو محض بیرونی قانونی نگرانی تک محدود رکھنے کے بجائے قانونی اور اخلاقی جواب دہی کے امتزاج کی طرف پیش رفت کی جاسکتی ہے۔

4: مسلم معاشروں کے لیے عملی امکانات

مسلم اکثریتی ممالک کے لیے ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل ایک اہم فکری اور اخلاقی رہنما اصول فراہم کرسکتا ہے، تاہم اس سے استفادہ کرنے کے لیے محض تاریخی واقعات سے واقفیت کافی نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ریاستِ مدینہ کے بنیادی اصولوں، مثلاً عدل، سماجی کفالت، معاشی انصاف، شفاف حکمرانی، انسانی وقار، کمزور طبقات کے تحفظ اور اجتماعی ذمہ داری کو عصرِ حاضر کے آئینی، قانونی، معاشی اور انتظامی ڈھانچوں کے تناظر میں سمجھا جائے۔ اس کے بعد ان اصولوں کی ایسی قابلِ عمل صورتیں وضع کی جاسکتی ہیں جو ایک طرف اسلامی اقدار سے ہم آہنگ ہوں اور دوسری طرف موجودہ ریاستی اداروں، قانونی تقاضوں اور معاشی حقائق سے بھی مطابقت رکھتی ہوں۔ اس طریقے سے ریاستِ مدینہ کو ایک قابلِ استفادہ اصولی ماڈل کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے، نہ کہ محض تاریخی نظام کی لفظی نقل کے طور پر۔

5: مستقبل کی سمت

مستقبل میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل سے حقیقی استفادہ اسی وقت ممکن ہے جب اسے محض ایک تاریخی یا جذباتی تصور کے بجائے قابلِ مطالعہ، قابلِ تجزیہ اور اصولی سطح پر قابلِ تطبیق ماڈل کے طور پر دیکھا جائے۔ اس مقصد کے لیے جامعات، تحقیقی اداروں، پالیسی سازوں، قانون ساز اداروں اور متعلقہ سماجی و معاشی ماہرین کے درمیان علمی و عملی تعاون ضروری ہے۔ بالخصوص یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں پر بین العلومی تحقیق کی جائے اور یہ جائزہ لیا جائے کہ عدل، زکوٰۃ، سماجی کفالت، اوقاف، معاشی خود کفالت، اخلاقی حکمرانی اور کمزور طبقات کے تحفظ جیسے اصولوں کو موجودہ ریاستی نظام میں کن قانونی، انتظامی اور معاشی صورتوں میں مؤثر طور پر بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اس طرح اسلامی فلاحی اصولوں اور جدید ریاستی تقاضوں کے درمیان علمی و عملی تطبیق کے ذریعے ایسا فلاحی نظام تشکیل دینے کی راہیں تلاش کی جاسکتی ہیں جو انسانی وقار، معاشی تحفظ، سماجی انصاف اور اخلاقی حکمرانی کو بیک وقت اہمیت دے۔

نتائجِ تحقیق

زیرِ نظر تحقیقی مطالعے سے درج ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

1. ریاستِ مدینہ میں عدل و انصاف، معاشرتی استحکام، کمزور طبقات کے تحفظ اور انسانی فلاح کو ریاستی و معاشرتی نظم کا اہم حصہ بنایا گیا، جس سے ایک نمایاں فلاحی ماڈل سامنے آتا ہے۔
2. ریاستِ مدینہ اور جدید فلاحی ریاست میں انسانی فلاح، سماجی تحفظ اور کمزور طبقات کی معاونت جیسے بنیادی مقاصد میں مماثلت پائی جاتی ہے، تاہم دونوں کی نظریاتی اور فکری بنیادیں مختلف ہیں۔

3. ریاستِ مدینہ میں فلاح کا تصور روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور معاشی پہلوؤں پر مشتمل جامع تصور ہے، جبکہ جدید فلاحی ریاست کا بنیادی دائرہ شہریوں کی سماجی و معاشی بہبود اور تحفظ سے متعلق ہے۔
4. جدید فلاحی ریاست نے صحت، تعلیم، روزگار اور سماجی تحفظ کے لیے مؤثر ادارہ جاتی نظام تشکیل دیے، جبکہ ریاستِ مدینہ کے فلاحی نظام نے ان شعبوں کو دینی ذمہ داری، اخلاقی اقدار اور اجتماعی تعاون سے مربوط کیا۔
5. ریاستِ مدینہ کے عدل، شفافیت، امانت، جواب دہی، معاشی انصاف اور کمزور طبقات کی کفالت جیسے اصول عصرِ حاضر کی فلاحی حکمرانی کے لیے قابلِ استفادہ رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں۔
6. ریاستِ مدینہ کے فلاحی ماڈل سے عصرِ حاضر میں استفادہ اس کی تاریخی صورت کی نقل کے بجائے اس کے بنیادی اصولوں کو موجودہ آئینی، قانونی، معاشی اور انتظامی تقاضوں کے مطابق قابلِ تطبیق بنا کر کیا جا سکتا ہے۔
7. مجموعی طور پر ریاستِ مدینہ کا فلاحی ماڈل عصرِ حاضر میں عدل، انسانی وقار، معاشرتی کفالت، اخلاقی حکمرانی اور اجتماعی ذمہ داری کے حوالے سے ایک قابلِ استفادہ فکری و عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سفارشات

1. زکوٰۃ، اوقاف اور بیت المال کے نظام کو عصرِ حاضر کے انتظامی، قانونی اور تکنیکی تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے مؤثر، شفاف اور منظم انداز میں فعال بنانے کے امکانات کا جائزہ لیا جائے۔
2. ریاستی پالیسی سازی اور حکمرانی میں امانت، شفافیت، احتساب، عدل و انصاف اور خدمتِ خلق کو بنیادی اصولوں کے طور پر فروغ دیا جائے تاکہ عوامی اعتماد اور ادارہ جاتی کارکردگی میں بہتری لائی جا سکے۔
3. جامعات اور تحقیقی اداروں میں ریاستِ مدینہ کے فلاحی اصولوں اور جدید فلاحی ریاست کے تقابلی و تجزیاتی مطالعے کو فروغ دیا جائے، خصوصاً ان اصولوں کی عصری اطلاق پذیری پر مزید تحقیق کی جائے۔
4. تعلیم، صحت، سماجی تحفظ اور غربت کے خاتمے سے متعلق پالیسیوں کی تشکیل میں ریاستِ مدینہ کے عدل، کفالت، انسانی وقار، معاشی انصاف اور اجتماعی ذمہ داری جیسے اصولوں سے مناسب رہنمائی حاصل کی جائے۔
5. ایک جامع، متوازن اور پائیدار فلاحی نظام کی تشکیل کے لیے جدید فلاحی ریاست کے مؤثر ادارہ جاتی طریقہ کار اور ریاستِ مدینہ کے دینی، اخلاقی اور فلاحی اصولوں کے درمیان قابلِ عمل اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگ صورتیں تلاش کی جائیں۔

References

1 Ibn Khaldūn, ʿAbd al-Raḥmān ibn Muḥammad, *Muqaddimah Ibn Khaldūn*, translated by Mawlānā Ghulām Rasūl Mihr (Lahore: Nafīs Academy, 1979), p. 253.

2 See: Ibn al-Athīr, ʿIzz al-Dīn ʿAlī ibn Muḥammad, *al-Kāmil fī al-Tārīkh*, translated by Mawlānā ʿUbayd al-Raḥmān (Lahore: Nafīs Academy, n.d.), 1:306.

3 al-Bukhārī, Muḥammad ibn Ismāʿīl al-Bukhārī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb Aḥādīth al-Anbiyāʾ, Ḥadīth no. 3475.

4 Aḥmad Riḍā, "Riyāsat-i Madīnah ke Istihkām mein Bayt al-Māl kā Kirdār: Sīrat al-Nabī kī Roshni mein," *Maʿārif-i Islām*, Allāmah Iqbāl Open University, Islamabad, 28.

5 al-Qur'ān, 9:61.

6 al-Bukhārī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb Manāqib al-Anṣār, Bāb Ikhāʾ al-Nabī bayna al-Muhājirīn wa al-Anṣār, Ḥadīth no. 3781.

7 See: Aḥmad Riḍā, "Riyāsat-i Madīnah aur Islāmī Falāḥī Mumlikat kā Taṣawwur: Taʿlīmāt-i Nabawī kī Roshni mein," *Sīrat Studies*, 4 (2019): 62–63.

8 al-Bukhārī, *al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ*, Kitāb al-Nafaqāt, Bāb Faḍl al-Nafaqah ʿalā al-Ahl, Ḥadīth no. 5353.

9 Ibid., Kitāb al-Adab, Bāb Faḍl man Yaʿūl Yatīman, Ḥadīth no. 6005.

10 See: Muḥammad Ḥamīd Allāh, *Khuṭbāt-i Bahāwalpur (ʿAhd-i Nabawī mein Niẓām-i Taʿlīm), Payām-i Qur'ān*, p. 237.

11 Abū Nuʿaym al-Iṣfahānī, Aḥmad ibn ʿAbd Allāh, *Ḥilyat al-Awliyāʾ wa Ṭabaqāt al-Aṣfiyāʾ* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1988), 1:53.

12 Gøsta Esping-Andersen, *The Three Worlds of Welfare Capitalism* (Princeton, NJ: Princeton University Press, 1990), 20–23.

13 Esping-Andersen, *The Three Worlds of Welfare Capitalism*, 21–23.

14 T. H. Marshall, *Citizenship and Social Class and Other Essays* (Cambridge: Cambridge University Press, 1950), 10–12.

15 U.S. Social Security Administration, "Otto von Bismarck," Social Security History, accessed August 16, 2026.

16 Beveridge, *Social Insurance and Allied Services*, 6–10.

17 Marshall, *Citizenship and Social Class and Other Essays*, 10–17.

18 John Rawls, *A Theory of Justice*, rev. ed. (Cambridge, MA: Harvard University Press, 1999), 65–73.

19 John Maynard Keynes, *The General Theory of Employment, Interest and Money* (London: Macmillan, 1936), 378.

20 Amartya Sen, *Development as Freedom* (New York: Alfred A. Knopf, 1999), 3–11, 143–155.

21 World Health Organization, *The World Health Report 2000: Health Systems: Improving Performance* (Geneva: World Health Organization, 2000), 1–13.

22 Anthony B. Atkinson, *Inequality: What Can Be Done?* (Cambridge, MA: Harvard University Press, 2015), 1–10.

23 International Labour Office, *Decent Work: Report of the Director-General*, International Labour Conference, 87th Session (Geneva: International Labour Office, 1999), 3–5.

24 Marshall, *Citizenship and Social Class and Other Essays*, 10–17.19.

25 al-Qur'ān, 22:41.

26 al-Qur'ān, 9:60.